OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com



# قومی ریاست کا مغربی تصور اور مسلم معاشرے پر اس کے اثرات: عصر حاضر کے تناظر میں ایک مطالعہ

# Western Concept of National State and Its Impact on Muslim Society: A Study in Contemporary Perspective

**Muhammad Ikram-ul-Haq**
*Doctoral Candidate Islamic Studies, University of Lahore, Lahore*
**Dr. Aqeel Ahmed**
*Assistant Professor of Islamic Studies, University of Lahore, Lahore, Lahore*

## Abstract

When religion was ousted in the collective affairs of man. The head of human unity was shattered. The slogan of nationalism was used to unite man in the struggle for unity. This gave rise to the idea of nation-state. This is explained in the article that the nation-state is formed on the basis of color, language and homeland which is free and independent state. The effects of the nation state on Muslim society are discussed in detail. Muslims take pride in adopting western civilization. Instead of following Islamic teachings. New political system of democracy is practicing in many Muslim countries, which is not compatible with the Islamic system of politics.

**Key words**: Nation-State, west, nationalism, Muslim society

## تمہید

انسان نے جب اپنی تہذیبی زندگی کا آغاز کیا تو اُسے ایک ایسے ادارے کی ضرورت محسوس ہوئی جو اس کی انفرادی اور اجتماعی معاملات کا ریاست کے نگہبان ہو۔ انسان میں سیاسی فکر کا آغاز تو اُس وقت ہی ہو گیا تھا۔ جب اُس کی تخلیق ہوئی تھی۔ پھر حالات وواقعات کے مطابق اس کا ارتقائی سفر جاری رہا۔ انسانی فکر کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرہ بھی ارتقائی منازل طے کرتا رہا۔ چنانچہ انسانی سماجی زندگی کی ابتداء ہی میں ریاست کا تصور پیدا ہوا۔ اور انسان نے اپنی زندگی کو مذہب، قانون اور حدود و قیود کا پابند بنا لیا۔ ایک مغربی مفکر 'انڈریو' نے ریاست کی تعریف یوں بیان کی ہے:

"From Latin Root 'State'. Meaning to stand or status. The word 'State' became 'Estate' in German, 'Stat' in old French and in English 'State'. Both state and estate carry the factor of

CC BY

land and territory as common in their meaning, and both have descended from old feudal system. The fundamental to the political structure of that time."[1]

"سٹیٹ لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی قیام یا مقام و مرتبہ تھا۔ جرمن اور فرانسیسی زبان میں استعمال ہونے کے بعد انگریزی زبان میں موجودہ شکل میں آیا۔ اس کے مفہوم میں خطہ زمین یا مخصوص علاقہ مراد ہے۔ جو قدیم جاگیردارانہ نظام کا بنیادی خاصہ تھا۔"

ریاست ایک ایسی سیاسی تنظیم ہے جو اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں کو کنٹرول کرتی ہے اور ان میں ربط اور ضبط پیدا کرتی ہے۔

**قومی ریاست**

انسانی زندگی فطری طور پر ارتقائی مراحل طے کرتی رہتی ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں جب لوگوں نے کلیسا کے خلاف آوازیں اٹھانا شروع کیں تو ریاست کے تصورات میں بھی تبدیلی آنا شروع ہو گئیں۔ کیونکہ جب انسانی نظریات میں تبدیلی آتی ہے تو ضابطِ حیات بھی بدل جاتا ہے۔ لہٰذا جب مغربی دنیا مذہب کی رہنمائی سے محروم ہونا شروع ہوئی تو اُن کو ایک وحدت کی لڑی میں پرونے کے لیے قومی ریاست کا تصور اجاگر ہوا۔ جو بہت مقبول ہوا۔ اور دنیا چھوٹی چھوٹی مختلف ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ قومی ریاست دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ قوم اور ریاست قومی یعنی قوم سے مراد انسانوں کا وہ گروہ جو کسی مشترک خصوصیت کی وجہ سے معروف ہو۔ اور وہ ایک جگہ پر رہائش پذیر ہو۔ جبکہ ریاست اُس قوم کے اجتماعی معاملات کے حل کے لیے معاون ہوتی ہے۔ تو قومی ریاست سے مراد ایسی ریاست جو قومیت کی بنا پر تشکیل دی گئی ہو۔ قومی ریاست ایک ایسی آزاد مملکت ہوتی ہے۔ جس پر کسی قسم کا کوئی بیرونی دباؤ نہ ہو۔ اس کی اپنی ایک شناخت ہو۔ اور وہ شناخت رنگ، نسل، زبان اور وطن کی شکل میں ہو سکتی ہے۔ اس کی اپنی ایک ثقافت ہو۔ اور وہ اپنے قومی مفادات کے تحفظ کی ضامن ہو۔ وکی پیڈیا میں قومی ریاست کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

"A Nation State is a sovereign state of which most of its subjects are united also by factors, which defined a nation such as language or common descent."[2]

"قومی ریاست ایک خود مختار ریاست ہے جس کے بیشتر مضامین بھی ان عوامل سے متحد ہوتے ہیں جو کسی قوم کی وضاحت کرتے ہیں جیسے زبان یا عام نسل"۔

پالمر اور ہر کنز بیان کرتے ہیں:

"The Nation state system is the pattern of life in that the people are separately organized that interact with one another in varying ways and various degrees."[3]

"قومی ریاست نظام زندگی کا ایک نمونہ ہے جس میں لوگ الگ الگ منظم ہیں، جو مختلف طریقوں اور انداز سے بات کرتے ہیں"۔

لرنرز ڈکشنری میں قومی ریاست کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

"Nation State a form of Political organization in which a group of people who share the same history, traditions, or language live in a particular area under one government."[4]

"قومی ریاست سیاسی تنظیم کی ایک شکل ہے جس میں لوگوں کا ایک گروہ جو ایک تاریخ، اضافے یا زبان کا اشتراک کرتا ہے، ایک مخصوص علاقے میں ایک حکومت کے ماتحت رہتے ہیں"۔

میکاویلی کے نزدیک کسی بھی ریاست کا حکمران اپنی عوام کو جو حکم دیتا ہے وہی ریاست کا قانون ہوتا ہے۔ کوئی خارجی عوامل یا مافوق الفطرت ہستی اس قانون پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ یعنی ہر ریاست آزاد اور خود مختار ہوتی ہے۔ اسی سے قومی ریاست کا تصور اجاگر ہوا۔ "جدید سیاسی ادب میں اسٹیٹ کے لفظ کو متعارف کرانے کا سہرا میکاویلی کے سر ہے۔"[5] ☆ قومی ریاستیں جغرافیائی حدود کی بنا پر تشکیل دی جاتی ہیں۔ اس لیے بہتر اس کو سمجھا جاتا ہے۔ جو اس خطے کے رہنے والے لوگوں کے لیے بہتر ہو۔ ☆ قومی ریاست میں اولین مقصد اس مخصوص علاقے کے لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنا ہوتا ہے۔ تو اس کے لیے معاشی استحکام بہت ضروری ہے۔ تو مغربی سرمایہ دارانہ نظام قومی ریاست میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دوسری ریاستوں سے دوستی صرف سرمائے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ☆ مغربی قومی ریاست کے تصور میں مادی خوشحالی و ترقی کے پروگرامات جغرافیائی حدود پار نہیں کرتے۔ تمام منصوبہ بندی صرف اپنے لوگوں کو مد نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ دوسری ریاستوں کے لوگ چاہے بھوک اور افلاس سے مر رہے ہوں۔ اس تصور کی رُو سے صرف اپنی ریاست کو ہی مقدم سمجھنا چاہیے۔ ☆ قومی ریاست کا تصور یہ ہے کہ حکمران آزاد اور خود مختار ہے۔ وہ اپنے قوانین بنانے میں آزاد ہے۔ مغرب میں کسی ملک کی اسمبلی شراب یا زنا کو حلال اور جائز قرار دیتی ہے، تو کوئی دوسری ریاست اس میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ اور نہ ہی مذہب اس میں حائل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہیومنزم اور سیکولرزم کی رُو سے انسان اپنے معاشرتی معاملات میں کسی الٰہی احکامات کا پابند نہیں۔ ☆ یہ تصور پابندی عائد کر دیتا ہے کہ کسی ریاست کا کوئی باشندہ دوسری ریاست میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ چاہے اُسے حصولِ علم یا علاج کی غرض سے ہی جانا ہو۔ ☆ قومی ریاست کا تصور یہ ہے کہ اپنے لوگوں کے ذہن میں یہ بات ڈال دی جائے کہ وہ دنیا کی بہترین قوم ہے، لہٰذا اس کا یہ کام ہونا چاہیے کہ وہ ایسے اقدامات کرے کہ وہ دوسری اقوام پر غالب آجائے۔ چاہے اس عمل میں اسے دوسروں کے حقوق سلب کرنا پڑیں۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مغربی قومی ریاست کا تصور ایک استعماری ریاست کو جنم دیتا ہے۔

## مسلم معاشرے پر اثرات

معاشرے سے مراد مل جل کر زندگی بسر کرنا ہے۔ معاشرے کا قیام انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ انسانی فطرت میں ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ جس ماحول میں رہتا ہے۔ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ جو فکر یا عقائد اس کے ذہن میں راسخ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ انہی عقائد و افکار کا پیروکار بن کر رہ جاتا ہے۔ مسلم معاشرے پر جدید اسلامی نظام حکومت کے درج ذیل اثرات ہوئے۔

## فکری اثرات

جدید سیاسی نظام میں فرد کی اصلاح ریاست کی بنیادی ذمہ داری نہیں ہے۔ لہٰذا فرد کے فہم و شعور کو اجاگر کرنے کے لیے حکومتی سطح پر کوئی اقدامات نہیں کیے جاتے۔ اس لیے افراد میں غور و فکر سے کام لینے کی صلاحیت ختم ہو گئی۔ اس فکری پسماندگی کی وجہ سے مسلمان اپنی اصل تہذیب کا دفاع کرنے میں ناکام ہو گئے اور غیروں کی تقلید عام ہو گئی۔ مسلم ممالک کے حکمران خود نظریاتی اور فکری لحاظ سے جدیدیت سے مرعوب ہیں۔ اور وہ تمام حکومتی معاملات میں انہی کی تقلید کرتے ہیں، اور اسلام کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب "موج کوثر" میں بیان کرتے ہیں۔ "یہ ایک تلخ حقیقت

کہ اسلامی ممالک نے مغرب کی انہی باتوں کو اخذ کیا جو ظاہری تھیں۔ اور جن کا اخذ کرنا آسان تھا۔ حالانکہ حقیقتاً ان کا مغرب کی ترقی سے کوئی اصولی تعلق نہ تھا۔"[6] مسلمانوں کی نظریاتی اور تہذیبی پسماندگی کی بڑی وجہ سلطنت عثمانیہ میں وہ حکمران طبقہ تھا۔ جو مغربی تہذیب سے مرعوب ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے ترک قوم کو مغرب کا مقلد بنا کر رکھ دیا۔ مصطفی کمال پاشا (اتاترک) اس کی بڑی مثال ہے۔ ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں کہ: "کمال اتاترک نے ملک کو سیکولر اسٹیٹ بنا دیا۔ اسلام کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل نہ رہی۔ دین اور سیاست کو علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا۔ اور فیصلہ کر لیا گیا کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔ خلافت کے ادارے کو ختم کر دیا گیا۔ شرعی اداروں اور محکموں اور اسلامی قانون کو بے دخل کر کے سوئٹزرلینڈ کا قانون دیوانی، جرمنی کا قانون بین الاقوامی اور اٹلی کا فوجداری قانون نافذ کیا گیا۔"[7] یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب قوموں کے رہنما دوسروں کی تقلید کرتے ہیں تو عام عوام پر اس کے بہت منفی اور بھیانک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسان جس کے ماتحت ہوتا ہے۔ اُسے اپنے سے بہتر سمجھتا ہے۔ مسلم رہنماؤں پر جب مغربی اقوام نے غلبہ حاصل کر لیا تو وہ نظریاتی طور پر ان کے گرویدہ ہو گئے۔ مولانا محمد حنیف ندوی بیان کرتے ہیں: "مغلوب قومیں ہمیشہ غالب اقوام کی تقلید کرتی ہیں کیونکہ انسانی نفس کی یہ کمزوری ہے کہ وہ جن لوگوں کی اطاعت اور پیروی پر مجبور ہوتا ہے۔ غیر شعوری طور پر اس کے کمال کو بھی مانتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ وہ کمال اس میں بھی منتقل ہو جائے۔ یہ غلط فہمی اس کو تقلید پر ابھارتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ان قوموں کو جو غلبہ ہم پر حاصل ہوا ہے وہ انہی کمالات کی وجہ سے ہے۔ جب یہ غلط فہمی مذہب اور اعتقاد کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو وہ غالب اقوام کے تمام خیالات اور افکار کو اپنانا ضروری سمجھتا ہے۔"[8] مغربی اقوام نے مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ اگر ہم ترقی کی راہ پر گامزن ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں قدیم دینی نظریات کو چھوڑ کر عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ جدید مغربی افکار کی پیروی کرنا لازم ہو گا۔

**سیاسی اثرات**

عصر حاضر میں مسلم سیاسی فکر جدید نظام سیاست سے متاثر نظر آتی ہے۔ اس میں سب سے اہم جمہوریت ہے۔ جو لفظ جمہور سے بنا ہے۔ اس کا مادہ جمہر ہے۔ جس کے معنی کسی چیز کا مجموعہ کہلاتا ہے۔ لہٰذا جمہوریت سے مراد وہ نظام حکومت جس میں اصل حاکمیت عوام کے پاس ہو، جیسے ایک مغربی سیاسی مفکر بیان کرتا ہے:

> "A Complete democracy would consult all of its citizens upon all matters it gives citizen not merely the renege of sharing in decisions, but the actual opportunity to influence its substance."[9]

> "جمہوریت میں تمام معاملات اپنے شہریوں کے مشورے سے چلائے جاتے ہیں یہ اپنے شہریوں کو اجتماعی فیصلوں میں شرکت کا احساس دلاتی ہے۔ اور ان فیصلوں کی حقیقت پر اثرانداز ہونے کا موقع دیتی ہے۔"

جمہوریت ایک جدید سیاسی فکر ہے۔ جسے مسلمانوں نے بھی اپنا لیا ہے۔ جبکہ اسلام اکثریت کی حکمرانی کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ اکثریت کی سوچ کو تمدن کا اصول بنانے سے منع کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ[10] "اگر آپ زمین میں اکثریت کی بات مانیں گے تو یہ آپ ﷺ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ یہ تو محض گمان اور قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر انسانوں کی خواہشات پر نظام چلایا جائے تو قومیں تخریب کاری کا شکار ہو جاتی ہیں۔ مغرب میں تو یہ فکر کارفرما تھی۔ اب مسلم معاشرے اس کی زد میں ہیں۔ اکثر مسلم

ریاستیں مثلاً پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیاء، ملائیشیا، مالدیپ، ترکی، افغانستان، ایران، عراق وغیرہ جہاں عوام کی اکثریت کے ووٹ سے حکومتیں بنائی اور گرائی جاتی ہیں۔

**سیاست اور مذہب**

مسلم معاشرے فکری مزاحمت کا شکار ہو گئے۔ اور دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ سیکولر طبقہ جو مغربی فکر سے متاثر ہوا تو انہوں نے مذہبی معاملات کو سیاست سے بے دخل کرنے کی مغربی فکر کو اجاگر کیا تاکہ جدیدیت کا خواب شرمندہ تعبیر ہو جائے۔ دوسری طرف مذہبی طبقہ ریاست میں مذہب کو مرکزی اہمیت دیتے ہیں۔ جدید سیاسی مفکرین مذہب کی سیاست میں مداخلت کی نفی تو نہ کرسکے۔ البتہ مذہب کو انفرادی معاملہ قرار دے کر اسے سیاست سے علیحدہ کرنے کی کوشش ضرور کی گئی مغربی مفکر وڈ لکھتا ہے۔

"The Impact of religion on Political life has progressively been restricted be the spread of liberal culture and ideas."[11]

"سیاسی زندگی پر مذہب کے اثرات کو لبرل ثقافت اور نظریات کے پھیلنے کی وجہ سے روک دیا گیا ہے۔"

مسلم معاشروں میں عملاً ایسی ہی صورتحال ہے۔ مسلم سیاسی فکر اب اسلامی اصولوں کے مطابق نہ رہی ہے۔

ایک مغربی مفکر بیان کرتا ہے :

"For the renaissance, on the other hand, man is more important than God, and Man's relations to his followers were important than this soul's relation to the duty." [12]

"نشاۃ ثانیہ کی تحریک سے انسان کو خدا کے مقابلے میں زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی اور انسان کے اپنے ہم جنسوں سے تعلقات زیادہ اہم ہو گئے۔ خدا کے ساتھ روحانی تعلق کے"

اسی فلسفے سے جمہوریت آئی۔ جس میں اقتدار اعلیٰ کے مالک عوام کو بنایا گیا۔ اور ریاست کا کام عوام کے حق اقتدار کو عملی شکل دینا قرار پایا۔ جبکہ اسلام کے مطابق **قُلِ اللَّهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ**۔[13]" کہہ دو اے اللہ تو ہی اقتدار کا مالک ہے۔ تو جسے چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔"

**قانون سازی**

اسلامی ریاست میں قانون سازی کے لیے قرآن و سنت سے رہنمائی لینا لازمی ہے۔ کوئی قانون اس کے خلاف نہیں بن سکتا۔ لیکن انیسویں صدی میں جب مغربی استعماری طاقتوں نے مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ تو مسلمانوں کے قانونی ڈھانچے میں بھی بہت سی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ انھوں نے اپنے زیر نگیں علاقوں میں قانونی اور عدالتی نظام کی تشکیلِ نو کی۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد ترکی میں اسلامی قانون کے بجائے مغربی قوانین کا نفاذ کیا گیا۔ مصر، مراکش، لبنان، شام، عراق میں بھی مغربی طرز قانون اپنایا گیا۔ اسلامی ممالک میں جہاں فقہا قانون سازی کرتے تھے۔ وہاں ریاست کی زیر نگرانی قانون ساز اداروں کی تشکیل کر کے قانون بنانے اور نافذ کرنے کے لیے ان سے منظوری حاصل لازمی قرار پایا۔ ابوالحسن ندوی بیان کرتے ہیں :"مسلم حکمرانوں کو ریاست کے مختلف شعبوں کے مسائل کے حل کے لیے اسلامی فقہی قانون ناکافی معلوم ہونا شروع ہو گیا۔ کیونکہ علماء نے اجتہاد سے کام لینا چھوڑ دیا تھا۔ جس سے مسلم ممالک میں مغربی سیکولر قوانین کی ترویج شروع ہو گئی۔"[14]

### اجتہاد

اسلام کی سیاسی فکر میں اجتہاد کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ اسلام نے باضابطہ کوئی سیاسی نظام پیش نہیں کیا۔ بلکہ کچھ آفاقی اور دائمی اصول فراہم کیے ہیں۔ جن کی روشنی میں ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق سیاسی نظام وضع کیا جاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں اجتہاد سے کام لیا جاتا رہا ہے۔ لیکن پھر مسلمانوں پر ایسا زمانہ آیا کہ انہوں نے اپنے اسلاف کی تقلید کو فرض قرار دے دیا۔ مصطفیٰ الزرقا فرماتے ہیں "پانچویں صدی میں مسالک اربعہ کو ماننے والوں نے اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا فتویٰ دے دیا اور اجتہاد کے لیے کڑی شرائط رکھ دیں۔"[15] سید ابو الحسن ندوی بیان کرتے ہیں کہ: "ایسا جمود طاری تھا کہ فقہا اپنے فقہی مسلک کے دائرہ سے باہر نکلنا جرم سمجھتے تھے، کوئی بھی عالم نئے مسائل کے استنباط کی کوشش نہ کرتا۔ کیونکہ قدیم فقہی ذخیرہ میں اضافہ ناممکن سمجھا جانے لگا۔"[16] اس کے بعد انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی میں ایسے مفکرین آئے جنہوں نے تقلید کے رجحان کو مسترد کر دیا۔ ان میں سر سید احمد خان،(98-1817ء) مفتی محمد عبدہ(1905ء-1849ء) علامہ محمد اقبال1938ء-1877ء اور ابوالاعلیٰ مودودی نے سیاسی معاملات میں نئے اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا۔ سر سید احمد خان تقلید کے سخت مخالف تھے۔ سر سید کے مطابق: "رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کی تقلید واجب نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کا قول حجت نہیں۔۔ اور جو کسی کو ایسا خیال کرے وہ مشرک فی النبوت ہے۔"[17] مولانا مودودی نے اسلام کا سیاسی نظام اس طرح وضع کیا کہ جمہوریت کو اسلامی اصولوں پر ڈھال کر اسلامی جمہوریت قائم کی جائے۔ ایک طرح سے انہوں نے مغرب کی سیاسی فکر میں کچھ تبدیلی کر کے قبول کر لیا اب تقریباً تمام مسلم معاشروں میں قدیم اسلامی فکر کی بجائے جدید سیاسی فکر کو اپنایا جا رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ اجتہاد کا فقدان ہے۔ جدید نظام حکومت سے جو معاشرتی اثرات مرتب ہوئے اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

### تصور آزادی میں مبالغہ

جدید سیاسی نظام نے انسان کی معاشرتی زندگی میں جو اثرات مرتب کیے اُس میں انسان کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ ہر قسم کی حدود و قیود اور رکاوٹوں کا مکمل خاتمے کا نام "آزادی" ہے۔ جو ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ وہ جس طرح چاہے زندگی بسر کرے۔ مذہبی، معاشرتی اور قانونی رکاوٹیں اس کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ جان لاک کے مطابق 'میرا جسم میری ملکیت ہے' اور جب یہ جسم میری ملکیت ہے تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے۔ مثلاً والدین، خاندان، معاشرہ مذہب کہ وہ کہے کہ یہ کام کرو اور یہ نہ کرو۔ آج کل چند لبرل خواتین 'میرا جسم میری مرضی' کا نعرہ لگا کر اس تصور کو اجاگر کر رہی ہیں۔

### روشن خیالی

انسان کی معاشرتی زندگی میں روشن خیالی کا تصور جس کا آغاز مغرب سے ہوا تھا۔ اب مسلم معاشرے میں پوری طرح سرایت کر چکا ہے۔ جس سے معاشرے میں فکری و ذہنی آوارگی عام ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی کے بقول: "روشن خیالی کے مغربی تصور نے پہلے اخلاقی اور معاشرتی قدروں کو نشانہ بنایا۔ عورت کی خاندانی ذمہ داریوں کو بوجھ قرار دے کر اُسے مارکیٹ میں لایا گیا۔ اور اس طرح وہ بھی معاشرے کے دیگر افراد کی طرح مقابلے کی دوڑ میں شامل ہوگئی۔ دین کی حفاظت، معاشرتی اور اخلاقی بنیادوں پر ہوتی ہے۔ اور جب خدائی حوالہ ختم ہو جائے تو پھر خواہشات اور مفادات پر مبنی آزاد رویے جنم لیتے ہیں۔ ہم جنس پرستی، آزاد جنسی تعلق اور والدین کی نافرمانی نے ان معاشروں کو بے سکونی کا جہنم کدہ بنا دیا ہے۔"[18] پاکستانی معاشرہ اس وقت روشن خیالی یا لبرلزم کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ نوجوان لڑکیوں کو روشن خیالی کے نام سے بے لباس کر دیا گیا ہے۔ بوائے فرینڈ، نائٹ کلب، رقص و سرود کی محفلیں یہ کلچر عام ہوتا جا رہا ہے۔ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول کو روشن خیالی اور ترقی

کا نام دیا جاتا ہے۔ مولانا مودودی بیان کرتے ہیں "مغربی تمدن کا طبعی تقاضا ہے کہ دونوں صنفوں کے درمیان تمام حجابات اُٹھا دیئے جائیں اور ایک دوسرے کے حسن اور صنفی کمالات سے لطف اندوز ہونے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔"[19]

**تربیت کا فقدان**

جدید سیاسی نظام میں فرد کی اصلاح کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ دین سے دوری تربیت کی کمی اہم سبب ہے۔ والدین جس نے بچے کی تربیت اسلامی طریقے سے کرنا تھی وہ خود دین سے بیزار ہیں تو معاشرے کی اصلاح کیونکر ہو گی۔ ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان معاشی دوڑ میں اتنا مصروف ہو گیا ہے کہ اُس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہے کہ وہ بچوں کی تربیت کے لیے اقدامات کر سکے۔ بچوں کے مالی اخراجات کو پورا کرنا ہی وہ فرض سمجھتا ہے۔ تربیت کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ تربیت میں کمی کی ایک وجہ سوشل میڈیا کا بے جا استعمال ہے۔ ڈاکٹر محمد امین بیان کرتے ہیں: "سوشل میڈیا کی سہولت کے کثرت سے استعمال نے بچوں کو نشے کی حد تک عادی بنا دیا ہے۔ اس میڈیا کی وجہ نے رقص و سرود، بے دینی، فحاشی و عریانی پھیلانے، اسلامی اقدار اور نظریہ پاکستان کو پامال کرنے کی انتہا کر دی ہے۔ اس کے ذمہ دار ہمارے حکمران اور بیوروکریسی ہے۔"[20] چونکہ پورا معاشرہ ہی بگاڑ کا شکار ہے اس لیے بچوں کو صحبت ہی جب بُری ملتی ہے تو اُن کی تربیت کرنا اور زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ تربیت کے فقدان کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ نوجوان طبقہ والدین کا نافرمان اور دین سے بیزار نظر آتا ہے۔

**جدید ذرائع ابلاغ اور پاکستانی معاشرہ**

عصر حاضر میں انسانی معاشرے میں میڈیا کے بغیر ترقی کی منازل اور انقلابی تبدیلیاں نہیں لائی جا سکتیں۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کا میڈیا معاشرے پر منفی اثرات زیادہ مرتب کر رہا ہے۔ ٹی وی پر نشر ہونے والے پروگراموں کا اخلاقی، مذہبی اور فکری اقدار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جس تہذیب اور رسم و رواج کی ترغیب دی جاتی ہے۔ وہ اسلامی اقدار سے متصادم ہے۔ روزنامہ جنگ کے ایک کالم نگار نے لکھا تھا: "ہمارے ارد گرد لگے ہوئے بڑے بڑے بل بورڈ پر بنی ماڈلز کی تصاویر، ٹی وی پروگراموں میں دکھائے جانے والے ڈرامے جس میں حسین خواب، محبتوں کے جال، اولاد کے بے باک فیصلوں کی حوصلہ افزائی، شادی بیاہ کی مہندیاں، ڈھول ڈھمکے اور ڈریسز دکھائے جاتے ہوں۔ جبکہ دوسری طرف تعلیمی اداروں میں واحد جمع، مذکر مؤنث اور قائد اعظم کے چودہ نکات کے علاوہ کچھ نہ سکھایا جائے تو وہاں قندیلیں ہی پیدا ہوتی جاتی ہیں۔"[21]

**مخلوط معاشرے کا فروغ**

معاشرتی اثرات میں تمام شعبوں میں مرد و زن کے اختلاط کا بڑھتا ہوا رجحان سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ مخلوط تفریح گاہیں۔ ریسٹورنٹ، تعلیمی ادارے، کلب یورپی معاشرے کا منظر پیش کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں لباس میں شائستگی اور تہذیب نظر آتی تھی۔ لیکن اب پینٹ اور جینز کا عورتوں میں عام استعمال ہو رہا ہے۔ بلکہ اعلیٰ طبقے کی خواتین کے لباس میں عریانیت عام ہوتی ہے۔ مخلوط معاشرے کی وجہ سے مرد و خواتین میں شہوات کی کثرت ہو رہی ہے۔ مساوات مرد و زن کے نعرے سے عورت گھر کی چار دیواری سے نکل کر بازار کی زینت بن گئی ہے۔ عورت کو نیم عریاں لباس پہنا کر معاشی چوراہوں پر بٹھا دیا گیا۔ سرمایہ دار نے عورت کو چند روپے دے کر معاشی مفادات کے لیے خوب استعمال کیا ہے۔

**خاندان**

معاشرے کی بنیادی اکائی خاندان ہے۔ اسلام نے خاندان کی اصلاح کے لیے ایک مربوط نظام پیش کیا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں خاندانی نظام کو متاثر کرنے والے اہم عناصر خاندانی منصوبہ بندی، آزادی نسواں، زناکاری اور اباحیت پسندی شامل ہیں۔ اسی وجہ سے طلاق کے رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اولاد کی پرورش بوجھ بنتی جا رہی ہے۔ بزرگوں اور والدین کی خدمت کرنے کی

بجائے اولڈ ہاؤسز بن رہے ہیں، بچوں کی پرورش کے لیے ڈے کیئر سنٹر موجود ہیں۔ چند سال پہلے 2016ء میں معروف ماڈل قندیل بلوچ کو غیرت کے نام پر قتل کیا گیا۔ تو اس موضوع پر کئی روز بحث چلتی رہی لیکن ہمارے معاشرے میں ایسے واقعات کیوں پیش آتے ہیں۔ اس کے بارے میں مرزا ایوب بیگ بیان کرتے ہیں: "جس مشرقی معاشرے میں فیشن اور روشن خیالی کے نام پر فحاشی اور بے حیائی پھیلا رہے ہیں۔ وہاں خاندانی نظام بہت مضبوط ہے۔ لیکن تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک طرف فحاشی بے حیائی کی تشہیر کی جاتی ہے۔ جس سے ناپختہ ذہن نوجوان غلط کاموں کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف مضبوط خاندانی نظام کا حامل مرد جب اپنی بہن، بیٹی کو کسی مرد کے ساتھ حالت غیر میں دیکھتا ہے تو اس کے آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ دس بھی پھانسی کی سزا کے قانون بنالیں۔ غیرت کے نام پر قتل نہیں رک سکتے۔"[22] ہمارے معاشرے میں خاندان کا شیرازہ بکھیرنے میں سوشل میڈیا کا بھی بہت کردار ہے۔ گھر کے افراد ایک جگہ پر بیٹھ کر بھی آپس میں گفتگو نہیں کرتے۔ ہر کوئی موبائل پر مصروف ہوتا ہے۔

**معاشی اثرات**

اسلام کا معاشی نظام انسان کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔ اس میں معاشی کفالت کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ایسے بہترین نظام کو چھوڑ کر ہمارے معاشرے میں ناعاقبت اندیش مسلمان حکمران مغربی معیشت کو نافذ کر رہے ہیں۔ جس سے مسلمانوں کی معاشی حالت دن بدن کمزور ہو رہی ہے۔ کیونکہ یورپی تقلید میں ترجیحات کا غلط تعین کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر برھان احمد فاروقی بیان کرتے ہیں۔ "رائج الوقت غالب معاشی نظاموں نے معیشت کو اخلاق سے جدا کر دیا ہے۔ یہ صورت حال ہمارے لیے خطرہ ہے۔ ہم اس خطرے کا تدارک دور جدید کی علمی اور ذہنی قیادت کا انکار کر کے ہی کر سکتے ہیں۔"[23] ہمارے معاشرے پر جن تصورات نے سب سے زیادہ معاشی اثرات مرتب کیے۔ وہ سرمایہ دارانہ، جاگیردارانہ، کمیونزم اور اشتراکیت ہیں۔ جن کی وجہ سے سماجی اور معاشی ناانصافیاں معاشرے میں عام ہو چکی ہیں۔ جس سے معاشرے میں مایوسی، بددلی اور بددیانتی پھیل رہی ہے۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی بیان کرتے ہیں: "اگر ایک فرد معاشرے کے معاشی حالات سے بے خبر اپنے ہی آرام و آسائش کا خیال کرے تو سماجی اور انفرادی حالات کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ سماج میں احساس محرومی، احساس کمتری اور حرص و ہوس کے مہلک امراض جنم لیتے ہیں۔"[24]

**نظام تعلیم پر اثرات**

ہمارے معاشرے کو ایسے نظام تعلیم کی ضرورت تھی جو مسلم فلسفہ حیات سے مربوط ہو۔ نظام تعلیم کسی بھی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے حکمرانوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔ آج بھی لارڈ میکالے کا دیا ہوا نظام تعلیم موجود ہے۔ جو مغرب کے مقاصد کو ہی پورا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر خورشید بیان کرتے ہیں "مغربی قوتوں کا سب سے مؤثر حملہ تعلیمی میدان پر ہوا۔ حملے کی زد میں فکر و نظر، ایمان و ایقان آداب اور تہذیب و تمدن غرض ہر وہ چیز جس میں ہماری زندگی کی بقا کا راز ہے۔ برطانوی فوجوں کو تو سرزمین پاک و ہند سے رخصت ہونا پڑا۔ لیکن لارڈ میکالے کے تعلیمی نظام نے جس بگاڑ کو جنم دیا اس کی گرفت آج بھی ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی پر قائم ہے اور ہم آزاد ہونے کے بعد بھی آزاد نہیں ہیں۔"[25] جدید نظام تعلیم سے مذہب بیزاری اور تشکیک کا رجحان پیدا ہوا۔ پاکستان میں جو بھی تعلیمی پالیسی اسلام کے حق میں بنائی گئی۔ اس نظام تعلیم کے پروردہ لوگوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ ابوالحسن ندوی بیان کرتے ہیں "اسلام اور مغربی تمدن جو زندگی کے دو متضاد نظریوں پر قائم ہیں۔ وہ مل کر ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ سکتے تو اس بات کی کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں کی نئی نسل کو مغربی بنیادوں پر دی گئی تعلیم و تربیت اسلام مخالف اثرات سے پاک کیسے ہو سکتی ہے۔" پاکستان

جو کہ اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا۔ لیکن اس میں مروج نظام تعلیم نوجوانوں میں وہ اخلاقی صفات پیدا نہ کر سکا۔ جو قوموں کی ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ مولانا مودودیؒ بیان کرتے ہیں "اس نظام تعلیم کے زیر اثر جو نسلیں تربیت پا کر اٹھ رہی ہیں۔ وہ مغربی قوموں کے عیوب سے تو پوری طرح آراستہ ہیں۔ مگر ان خوبیوں کی چھینٹ بھی ان پر نہ پڑی جو اسلام کا لب لباب ہیں۔ فرض شناسی نہ جفاکشی و متعدی، صبر و ثبات نہ عزم استقلال، باقاعدگی و ضابطگی نہ ضبطِ نفس ان میں بدترین رشوت خور، خویش پرور، فرض سے جی چرانے والے، انصاف اور قانون کا خون کرنے والے، قومی مفاد کو ذاتی مفاد پر قربان کرنے والے ایک دو نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہر جگہ آپ کو کام کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔" حق اور باطل کو پرکھنے کا طریقہ سکھانا ہی نظام تعلیم کا مقصد ہوتا ہے۔ لیکن مغرب نے حق و باطل میں تمیز کرنے والی کسوٹی کو ہی بدل کر رکھ دیا۔[26]

### تعلیمی ثنویت

تعلیمی ثنویت سے مراد دوہرا نظام تعلیم ہے۔ ایک طرف دینی مدارس کا وہ نظام تعلیم ہے جس سے ایسے افراد تیار ہوتے ہیں۔ جو چند دینی مسائل سے تو واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن اجتماعی معاملات سے مثلاً سیاسی و معاشی معاشرتی مسائل سے اگاہ نہیں ہوتے۔ جدید علوم سے ناواقفیت کی وجہ سے عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھنے کی صلاحیت اُن میں نہیں ہوتی نتیجتاً اُن کا کام صرف مسجد میں نماز پڑھانا اور جمعے کا خطبہ دینا رہ جاتا ہے۔ دوسری طرف جدید نظام تعلیم ہے جہاں عصری علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جو مغربی فکر پر مبنی ہے۔ وہاں ایسے افراد تیار کیے جاتے ہیں۔ جو مغرب کو مطلوب ہیں۔ مخلوط نظام تعلیم نے فحاشی اور عریانی کو عام کر دیا ہے۔ یہ نظام تعلیم اسلام سے عاری ہے۔ نصابات میں اسلامی تعلیمات کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے۔

### تصور قومیت کے اثرات

قومیت کے تصور سے مسلمانوں پر بڑے نمایاں اثرات نمودار ہو رہے ہیں۔ مسلمان جو ایک امت تھے۔ وہ قوموں میں تقسیم ہو گئے اور قومیت پر فخر کرنے لگے۔ قومی تعصب ان میں پیدا ہو گیا۔ ایک مقالہ نگار لکھتا ہے "انیسویں صدی عیسوی میں قومیت کے تصور نے عربوں میں یہ شعور پیدا کیا۔ اور انہیں یاد دلایا کہ وہ غیر عرب (مسلمانوں) سے بالکل علیحدہ قوم ہیں۔" عرب لیگ کا قیام اس سوچ کا شاخسانہ تھا۔ مسلمان امت کے بجائے وطن اور قومی مفادات کا تحفظ کرنے لگے۔ مثلاً فلسطین اور کشمیر پر ہونے والے مظالم پر اسلامی حکومتیں کوئی مزاحمت نہیں کرتیں وہ صرف اپنے مفادات کو مد نظر رکھتی ہیں۔ بلکہ بعض اوقات قومی مفادات کے نام پر اسلامی ملک کی بجائے دشمن کا ساتھ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ترجیحات میں تبدیلی آچکی ہے۔ ہر کوئی عالم اسلام سے اتحاد کی بجائے دوسرے ممالک سے دوستی کا خواہاں نظر آتا ہے۔ مثلاً پاکستان کے اس وقت چین سے بہت مراسم ہیں۔ ترکی کئی دہائیوں سے یورپی یونین میں شامل ہونے کے لیے پَر تول رہا ہے۔ لیکن تاحال اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ سعودی عرب کے اس وقت امریکہ سے خاصے تعلقات ہیں۔ کئی عرب ممالک متحدہ عرب امارات، بھوٹان وغیرہ اسرائیل کو تسلیم کر چکے ہیں۔ جب مسلمان قومیت کی بنیاد پر تقسیم ہو گئے تو مسلم ممالک کی معاشی حالت انتہائی خراب ہو چکی ہے۔ قدرتی وسائل سے مالامال مسلم ممالک آئی۔ ایم۔ ایف کے محتاج ہیں۔ قرضوں کے بوجھ تلے دب چکے ہیں۔ مسلم ممالک سیاسی عدم استحکام کا شکار ہو چکے ہیں۔ انتخابات کے عمل میں جو گروہ لوگوں کو وطن سے محبت کا یقین دلانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں عوام کا مقدر سونپ دیا جاتا ہے۔ حکمرانوں کی خود غرضی ان کے سیاسی اعمال کی بنیاد بنتی ہے۔ مختصراً قومیت کے تصور نے مسلمانوں کے ہر شعبہ ہائے زندگی میں بہت سے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اور زندگی کا رخ بدل کر رکھ دیا۔[27]

### خلاصہ بحث

انسان کے اجتماعی معاملات کے حل کے لیےُ ریاست کا وجود نا گزیر ہے- قومی ریاست کی تشکیل میں ہیمونزم، سیکولرزم، اور نیشنلزم کے تصورات نے اہم کردار ادا کیا۔ قومی ریاست ہر قسم کے بیرونی دباؤ سے آزاد ہوتی ہے۔ قومی ریاست میں صرف اپنی ہی قوم کا مفاد عزیز ہوتا ہے۔جب کو قوم دوسری قوم پر غالب آتی ہے۔تو وہ کچھ اثرات چھوڑتی ہے۔جو مغلوب قوم اپنا لیتی ہے۔ جدید سیاسی نظام جمہوریت نے تمام شعبہ ہائے زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیےُ ہیں۔ مسلمان مغربی تہذیب کو اپنانے میں فخر اور اسلامی روایات پر عمل کرنے سے کتراتے ہیں۔انسان ہمیشہ ہر اس بات کو جلدی قبول کرتا ہے۔ جس کا صلہ فوراملتا ہو۔ عصر حاضر میں پوری دنیا پر مغربی تہذیب کی یلغار ہے۔

## References


[1]Andrew Vincent, *Theories of the State* (London: Oxford University, 1976 AH), 16

[2]en.wikipedia.org/wiki/nation.state

[3]Study.com,academy,lesson,nation.state, dated 08-04-2020

[4]Learnersdictionary.com/definition/nation-state

5 Garner, James welford , *political science and government* ( Kalkatta: world press), 47.

6 Sheīkh Muḥammad Ikrām, *Maūj e kaūthar* (Lāḥore: Idāra Thaqāfat-e-islāmīa 2000 AH) 21: 334.

7 Sayyid Sulaimān,Nadvī, *Muslim Mumālik me Islamīyet aūr Maghrbīyet kī kashmakash*( Karāchī:Majlas Nashrīyāt-e-Islām ), 70.

8Muḥammad Ḥanīf, Nadvī, Afkār ibn-e-khaldūn (Lāhore: Idāra Thaqāfat-e-islāmīa, 1984 AH) 5:111.

[9]Michael Stewert, *Modern Forms of Government* (London: Oxford University Press, 1959 AH), P:56.

[10] Al-In 'ām 4:116.

11Heywood, *Political Ideologies* (London, Oxford University Press, 1998 AH), 295.

12Edward Mcheesey, *Masters of political thought* (London: Oxford University Press, 1947 AH),27.

[13]Āl- 'Imrān, 3:26.

[14]Nadvī, *Muslim Mumālik me Islamīyet*, 249.

[15]Muṣṭfā Aḥmad Zarqā ', Al-Madkhal al-fiqhī al-'am (Damsscus, dār-al-fikar,1967 AH)1:176.

16Sayyid Sulaimān,Nadvī, *Tarīkh dawat wa 'Azīmat* (Karāchī:Majlas Nashrīyāt-e-Islām, 1983 AH ) 2:63.

[17] Faẓal Dīn, *Taḥzīb al Ikhlāq* (Lāhore: Muṣṭfaī ' press, 1895 AH),2:334.

18Dr. Khalid 'Alvī, *Secularīsm and Islām* (Lāhore: Daily naway waqat 05-01-2007 AH),7.

19Maulāna Abū 'Alī Maudūdī, *pardaḥ*(Lāhore:Islamic publīcations limited, 1984 AH),37.

20Dr. Muḥammad Amīn,*Medīa aūr jadīd t'alīm*,(Lāhore: Maḥnāma Al-Burḥān december2016AH)27 .

[21]Alī Mu'īn Nwāzish, *Ḥisāb to denā ḥu gā* (Quetta,Roznāmā jang,20-07 2016 AH),3.

[22]Mirza Ayūb baīg,*wahī to Zālim,fāsiq aūr kāfir ha*(Lāhore:weekly Nidāy' khilāfat,2016 AH)4 .

[23]Dr. Burḥān Aḥmad Fārūqī,*Qurān Majīd aūr Musalmāno ke zinda Msāī'l*(Lāhore: Idāra Thaqāfat-e-islāmīa,1991 AH), 203.

24Sayyid Sulaimān,Nadvī,*Maghrib sy Ṣāf Ṣāf Baty*(Karāchī:Majlas Nashrīyāt-e-Islām, 1983 AH ) 144.

[25]Maulāna Abū 'Alī Maudūdī,*Tanqīhāt* ( Lahore,Islamic publications,1939AH)172.

[26] Maudūdī, *Tanqīhāt*,172.

[27] *Urdu Dāira Mu'ārif Islāmī*(Lāhore,Danish gaḥ Punjāb,1978AH)16\2:481 .